دار الافتاء

عزیز زبیدی۔ واربرٹن

مساواتِ محمدی اور سوشلزم۔ امیر اور غریب کا اسلامی تصوّر

مندرجہ ذیل امور کا جواب عنایت فرمادیں۔

۱۔ "مساوات محمدی" کے معنی میں "سوشلزم" کی اصطلاح قبول کر لینے میں کیا حرج ہے؟

۲۔ کیا اسلام میں "امیر اور غریب" کا کوئی جائز تصور پایا جاتا ہے، اگر جواب "ہاں" میں ہے تو دُنیا میں یہ پنپنے کے قابل کیسے ہو سکتا ہے؟ (ایک سائل۔ گوجرانوالہ)

الجواب

مساواتِ محمدی اور سوشلزم

سوشلزم صرف علمی اصطلاح ہوتی تو شاید سوال کرنے کے لیے کوئی گنجائش نکل آتی لیکن کیا کیا جائے کہ یہ ایک "ازم، نظریہ اور ایک ذہن" کا نام ہے، جس میں یہ ضروری ہے کہ اس موضوع پر غور کرتے وقت، خدا اور رسول کا احساس دل اور دماغ سے نکال دیا جائے۔ صرف پیٹ کی بات، پیٹ سے پوچھی جائے، پیٹ بھی صرف مزدور کے پیٹ کی بات کی جائے، پیٹ بھی ایسا جس میں طبقاتی انتقام کی گیس بھری ہو ——— اس سوشلزم کے بھوت نے نوعِ انسانی کو فرقہ وارانہ اور طبقاتی پس منظر کے حوالے کرکے انسانی برادری کی وحدت اور ائتلاف کے امکانات کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے علاوہ ابن آدم کو ایک ایسی شتر کینہ جنس بنا ڈالا ہے جس نے معاشی لحاظ سے اپنے مختلف بھائی کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہنے دیا، جو آدم مسجودِ ملائکہ تھا اُسے ایک جانور بنا کر آدمیت کے شرف سے اسے محروم کر دیا ہے ——— ایسی بدنام، انسان دشمن اور حیوان دوست اصطلاح کو "مساوات محمدی" کے معنی میں لینا دراصل "محمدیت نافہمی" کی ایک بدترین مثال ہے۔ سوشلزم کو محمد عربی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک معاشی دستور العمل کے معنی میں استعمال کرنا صرف اس مسلم کے لیے ممکن ہے، جو "مرعوب اور بے غیرت" ہے اور خبیث اور طیّب میں امتیاز کرنے کی حس سے بالکلیہ محروم ہے۔ دراصل سب سے پہلے مزدک کی "چوپال" سوشلزم کی سنڈھ کی جڑ دریافت کرلایا تھا تاکہ ایسا حدود فراموش معاشرہ پیدا ہو جائے جہاں حدود اور نظم کے نام کی کوئی شے باقی نہ رہے، کمائی ہو یا بیوی، وہ سب کی ہو، کمائی کسی کی بھی

پرائی نہ رہے اور دنیا سے ماں بیٹی اور بہن کے نام کی کوئی چیز نظر نہ آئے، سب بیوی دار ہوں اور سب کی بیوی ہوں۔ اس کے بعد ہیگل اور مارکس نے اس کو زندہ کیا۔ مگر مار کھا گئے۔ آخر ایک ریلا ایسا آیا کہ اس قماش کا ایک گروہ ایک وقت ایک جگہ اقتدار پر براجمان ہو گیا۔ مگر اس نے سوچا کہ عوام اب پھر ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے نہ پڑ جائیں۔ اس لیے اُن میں سے نادار طبقہ کو اپنے خوشحال بھائیوں کی راہ دکھا دی تاکہ وہ آپس میں اُلجھ کر حکمران گروہ سے غافل ہو جائیں۔ یہ اب مساوات کے نام پر ایک دوسرے کا ہی گلا کاٹیں۔ چنانچہ اب یہ تجربہ کچھ ایسا کامیاب رہا ہے کہ اب مساوات کی ترازو کا رُخ حکمرانوں کی عدم مساوات کی طرف نہیں پھرتا بلکہ وہ باہم ناپتے، تولتے اور اُلجھتے رہتے ہیں۔ حکمران جو عدم مساوات کے اصل موجد ہیں۔ وہ درمیان سے یوں نکل گئے ہیں جیسے آٹے سے بال۔ جس دن عوام کو یہ بات سمجھ میں آگئی، مساوات کا اصل بنیادی مسئلہ اس دن ہی حل ہوگا۔ پہلے نہیں اور بالکل نہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ گویا کہ سوشلزم کی مساوات کو اقتدار کے حصول کے لیے انہوں نے زینہ بنا رکھا ہے جب اس پر فائز ہو جاتے ہیں تو یہ اسی کے نام پر اپنی کرسی کا تحفظ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوشلزم کی تحریک حکمران ٹولہ چلاتا ہے یا وہ جو اس نعرے کے ذریعے اقتدار کے لیے کوشاں ہے۔ بہر حال اپنے اس پس منظر کی وجہ سے یہ اتنی قبیح تلمیح بن گئی ہے کہ اب اس کا نام ہی ایک گالی بن گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ان متجددین سے کیا خوب فرمایا ہے:

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ (پ ۔ الاعراف ع)

"کیا تم مجھ سے (ان تراشیدہ) ناموں (کے بارے) میں جھگڑتے ہو جن کے تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نام گھڑ رکھے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی کوئی سند اور دلیل نہیں اُتاری۔"

نام تعارفی شے ہے اور کچھ ایسے نام بھی ہوتے ہیں جو تعارف کے ساتھ ایک پس منظر کے لیے تلمیح کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ اس لیے ایسے ناموں اور اصطلاحات سے اجتناب کرنا دینی فریضہ ہوتا ہے۔ جو حقائق دینیہ کی روح سے متصادم ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ ان سے التباس کا امکان قوی ہو جاتا ہے اور اس سلسلے میں ان سے جتنی اور جیسی کچھ "اجنبیت" مطلوب ہوتی ہے۔ اس کا رنگ بھی پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دور میں اس سے منع فرمایا تھا کہ کوئی شخص آپ کا نام اور کنیت ایک ساتھ اختیار کرے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان یجمع احد بین اسمه وكنيته وسمی محمدا ابا القاسم رواہ الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح ۔

کیونکہ اس صورت میں التباس ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے سوشلزم بول کر مساوات محمدی مراد لینا یا مساوات محمدی بول کر سوشلزم مراد لینا شرعاً ممنوع ہے۔ خاص کر وہ نام جو روحِ اسلام کے منافی تلمیح کے حامل ہیں، حضورؐ ان کو بالکل برداشت نہیں کیا کرتے تھے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر اسم عاصِیَۃ وقال انت جمیلۃ

رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امّ سلمہ کے ایک بھتیجا ہوا، انہوں نے اس کا نام "ولید" رکھا آپ نے فرمایا، اپنے فرعون کے نام پر اس کا نام رکھا ہے تاکہ اس امت میں ایک شخص ایسا بھی ہو جیسے ولید کہا جاتے۔ فرعون اپنی قوم میں جس طرح سب سے بدتھا اس سے کہیں بڑھ کر یہ ولید ہے جو اس امت میں سب سے بدتر ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال ولد لاخی ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلام فسموہ الولید فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیتموہ باسم فراعنتکم لیکونن فی ھذہ الامۃ رجل یقال لہ الولید ھو شر ھذہ الامۃ من فرعون لقومہ رواہ احمد وفیہ انقطاع لان سعید بن المسیب لم یدرک عمرؓ۔

امیر و غریب کا فرق

رزق میں جو فرق ہے ایک حد تک وہ قدرتی ہے، ازلی ہے اور ابدی ہے۔

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ (پ ۱۴۔ النحل ع ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے ہی تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فوقیت (برتری) دی ہے۔"

مخلوق ساری اللہ کی مخلوق ہے، وہ جیسے چاہے کر سکتا ہے، بھلا وہ اپنی الوہیت اور اختیارات میں دوسرے کسی کو کاہے کے لیے شریک بناتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے فرمایا: تمہارے نوکر چاکر، خدام اور غلام ہوتے ہیں۔ اب ایسا تو کوئی نہیں کرتا کہ جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اس کو اپنے نوکروں، چاکروں اور غلاموں میں برابر بانٹ دیں کہ اس میں وہ ان کے برابر شریک ہوں۔

فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِھِمْ عَلٰی مَامَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَھُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ ط (پ ۱۴۔ النحل ع ۱۰)

" تو جن کو زیادہ (روزی) دی گئی ہے (وہ) اپنی روزی لوٹا کر اپنے زیردستوں (غلاموں نوکروں) کو نہیں دے دیا کرتے کہ روزی میں ان (سب) کا حصہ برابر ہو۔"

سورۂ روم میں اس سے بھی اور وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ (پ ۲۱ - الروم ع ۴)

" وہ تمہارے (سمجھنے کے) لیے تم ہی میں کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ جن (غلام) کے تم مالک ہو ان میں سے اس (روزی) میں جو ہم نے تم کو دے رکھی ہے۔ کوئی (بھی) تمہارے شریک ہیں کہ تم (اور وہ) اس (روزی) میں برابر کا حق رکھتے۔ (اور) تم ان کی (ایسی ہی) پروا کرتے ہو جیسی کہ تم اپنی پروا کرتے ہو۔"

ظاہر ہے کہ نہ تم اپنے جیسی ان کو خوراک دیتے ہو نہ اپنی جیسی اُن کی دیکھ بھال کرتے ہو۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ: دنیا کا انتظام اختلاف حالت پر مبنی ہے۔ اگر سب آدمی سب باتوں میں یکساں ہوں تو کیوں کوئی حاکم ہو اور کوئی محکوم اور کیوں کوئی محتاج ہو اور کوئی محتاج الیہ کیوں کوئی کثیر الاولاد ہو اور کوئی بے اولاد۔ کیوں کوئی مالک مکان ہو اور کوئی کرایہ دار، لیکن جس طرح یہ اختلاف حالت خدا کے کرتے سے ہے اسی طرح اس اختلاف کا دُنیا میں قائم رکھنا خدا کے انتظام سے ہے۔"

یہ تو ہے روزی میں تفاوت کا ایک پہلو، دوسرا پہلو غربا کی غربت کا ہے کہ اس کا کیا علاج ہے؟ زبانی کلامی دنیا خواہ کچھ کہے لیکن عملاً ان معترضوں کے ہاں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے، جس بات کو انہوں نے اپنی جولانیوں کے لیے بطور پٹرول کے ہدف بنا رکھا ہے۔ کیونکہ جو وسائل زیست کوسیجن، اندرا اور چائنا کے حکام اور وزرا کو حاصل ہیں وہ یقیناً دوسرے عوام کو یکساں حاصل نہیں ہیں، تو معلوم ہوا اصل جھگڑا اس میں نہیں کہ تفاوت کیوں ہے؟ کیونکہ یہ تفاوت خود ان کے ہاں بھی موجود ہے بلکہ سوشلسٹ سیاسی شاطروں نے محض اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لیے اسے ناحق مسئلہ بنا لیا ہے لیکن اس کے باوجود صحیح رُخ پر بھی اختیار نہیں کیا گیا، کیونکہ اب بات یوں بن گئی ہے کہ: دوسرے کے پاس زیادہ کیوں ہے؟ حالانکہ سوچنا یہ چاہیے تھا کہ: جو بدنصیب بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہیں ان کو اپنے پیروں پر کیسے کھڑا کیا جائے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس سے اسلامیہ جمہوریہ دلچسپی رکھتی ہے اور رکھ سکتی ہے۔ اس کے سامنے یہ بات نہیں ہوتی کہ: دوسرے کے پاس زیادہ کیوں ہے، کیونکہ یہ کوئی گناہ اور اخلاقی جرم نہیں ہے اور

کبھی کسی زمانہ میں یہ جرم نہیں رہا۔ ہاں جن دیانت دار رہنماؤں نے کبھی اس مسئلہ کی طرف توجہ دی ہے۔ انہوں نے مفلوک الحال طبقہ کو تھامنے کی تدبیر تو سوچی ہے۔ لیکن خوش حال طبقہ کو ختم کرنے کی ختم کرنے کی حماقت نہیں کی۔ اگر دنیا صرف اس پہلو پر نظر رکھ کر نادار طبقہ کو تھامنے کی کوشش کرتی تو یقین کیجیے کہ آج سے صدیوں پہلے یہ رونا ختم ہو چکا ہوتا۔ مگر ہوا یہ ہے اس سستے "غریبوں کی غربت اور مصائب کا کاروبار تو کیا ہے ان کا مداوا نہیں کیا۔ کیونکہ ہر جگہ مزدور کی حالت اب بھی وہی ہے جو ان ہمدردوں کے آنے سے پہلے تھی۔ مگر مزدور اور غریب بھولا ہے اُن کی چالوں کو نہیں سمجھ سکا۔ ورنہ کبھی گھر میں بیٹھ کر یہ تو سوچتا کہ جو صاحب میرے استحصال کا رونا رو رہے ہیں یا میری بپتا پر آنسو بہا رہے ہیں آخر وہ بھی ہماری قسمت کے والی بنے ہی رہے ہیں۔ آخر اپنے دَور میں انہوں نے وہ کسر کیوں نہ پوری کی جس کا واسطہ دے کر انہوں نے ہمارا تعاون حاصل کیا تھا؟ یہ ایک دفعہ نہیں ہر بار یہی تماشا رچایا گیا ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے نعروں میں سچے ہیں تو ان کو سوچنا چاہیے کہ ابھی تک وہ "زبوں حال" کیوں ہیں! اس کے تو یہی معنے بنیں گے کہ: انہوں نے بھی حسب سابق "مزدور" کا کاروبار ہی کیا ہے ورنہ ان "نعرہ بازوں" کی مسیحائی سے ہمارا کچھ بن ہی گیا ہوتا۔

بہر حال ہمارے نزدیک اس کا صحیح حل یہ ہے کہ یہ نہ دیکھا جائے کہ: دوسروں کے پاس زیادہ کیوں ہے۔ بلکہ یہ سوچا جائے کہ ان غرباء کو کیونکر تھاما جائے۔ بس اسلامی حکومت اسی بات کی ذمہ داری لیتی ہے کہ، کوئی شخص اپنی پوری مساعی جمیلہ کے باوجود اگر خود کفیل نہیں ہو سکا تو اس کی کمی پوری کی جائے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دَورِ حکومت میں یہ سب کچھ ہوا اور پوری اسلامی ریاست میں ہوا۔ ملاحظہ ہو کتاب الخراج لابی یوسف اگر کوئی شخص معذور ہو گیا ہو اور اس کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو تو سرکاری خزانہ سے اس کے لیے وہ ایک خادم بھی مہیا کر دیا کرتے تھے (الفاروق ص ۲۵/۲)

الغرض امیر و غریب کا فرق جس قدر قدرتی ہے، وہ تو بالکل لاینحل ہے اور جس حد تک ایک غریب کی دستگیری کی بات ہے اسلامی حکومت اس کی جواب دہ ہے۔ لیکن یہ تصور کہ: دوسرے کے پاس ایک غریب سے زیادہ کیوں ہے ایک احمق سوشلسٹ کی بات تو ہو سکتی ہے۔ عقل و ہوش کی بات نہیں ہو سکتی اور نہ اسے عملی جامہ پہنانا کسی کے بس میں ہے۔ اگر سوشلسٹ ممالک بھی اس کی کوئی مثال پیش کر سکیں تو ہم اس کا مطالعہ ضرور کریں گے "لیکن حقیقی مساوات" کہ کسی کے پاس دوسرے سے زائد نہ ہو، قطعاً ناقابل عمل اور احمقانہ تصور ہے۔ کسی بھی ملک اور قوم میں ایسی یکسانیت ناممکن ہے، کھانا پینا، پہننا اور رہنا سہنا سب مختلف ہیں۔

نہ سب ایک جیسا اور ایک جتنا کھاتے ہیں اور نہ ایک جیسا اور نہ ایک جتنا پہنتے ہیں۔ نہ سب کے پاس ایک جیسا مکان ہے اور نہ ایک جیسے سفر اور سفری سہولتیں ہیں۔ نہ سب کے پاس یکساں علاج ہے اور نہ ایک جیسی اور ایک جتنی دوا ـــــ جب خود مدعیوں کے پاس یہ سبھی کچھ موجود نہ تھا تو دوسرے کسی مسلمان ملک پر یہ زور کیوں دیتے ہیں کہ: وہ سب کو ایک جیسا کر ڈالیں؟ ہاں اسلامی حکومت اس امر کی ذمہ دار ضرور ہے کہ ملک کا کوئی باشندہ مسلم ہو یا وہ غیر مسلم؟ بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے اور اسی حد تک اس کی کفالت کا وہ ذمہ لیتی بھی ہے لیکن شرعی معذوری کی شرط پر۔ یوں نہیں کہ کچھ مفت خورے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ اور حکومت ان کو گھر بیٹھے "من و سلویٰ" بھیجا کرے۔ کیونکہ اسلامی حکومت خدا نہیں ہوتی۔ وہ کمی کی صورت میں اعانت کی ذمہ دار ہوتی ہے یا یہ کہ کوئی واقعی شرعی معذور رہو۔ اس کی پوری کفالت کی ذمہ داری لینا اس کے بنیادی فرائض کا حصہ ہوتا ہے۔

اصل میں مساوات کی ترازو خوشحال اور مفلوک الحال عوام کے درمیان ہی رکھ کر شاطر اور بے خدا حکمران لوگ، درمیان سے کھسک گئے ہیں۔ وہ مساوات جس سے ہمیشہ بحث جاری رہی ہے وہ عوام اور حکمران کے طرز حیات اور شہری حقوق کے سلسلے کی رہی ہے کہ وہ اپنے عوام کے ایک فرد کی حیثیت سے ان کے ہمسفر رہتے ہیں یا کوئی آسمانی مخلوق بن کے اپنے عوام سے کوسوں دور چلے گئے ہیں، عوام تو بھوکوں مریں اور حکمران شراب و کباب میں دھت رہیں، عوام کے بدن پر نام کے چیتھڑے بھی نظر نہ آئیں اور اربابِ اقتدار صبح و شام نئی قیمتی پوشاک زیبِ تن کرتے رہیں۔ رعایا کو تو سر چھپانے کے لیے جھونپڑے نہ ملیں اور حکمران ٹولہ فلک بوس محلات اور شاہی ایوانہائے بریں میں عیش کریں، غریب شہری ذرا سی لغزش پر گردن زدنی اور بادشاہ لوگ خلقِ خدا کی گردنیں اڑا کر بھی، بادشاہ ـــــ جب سیاسی سطح پر "مساوات" کی آواز بلند ہوئی تو وہ اسی نوع سے متعلق تھی۔ لیکن یار لوگوں نے اپنی شاطرانہ چالوں کے ذریعے عوام کی مت مار کر، ان کو باہم تولنے پر لگا دیا تاکہ عوام باہم الجھ کر ان راج دلاروں کو تولنے سے غافل ہو جائیں۔ اور یہ شرارت اتنی کامیاب رہی کہ اب حکمران بالکل محفوظ ہیں، مگر عوام جو بالکل عوام ہی ہیں، ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اور بدنیت سیاستدان اور حکمران ٹولہ یہی چاہتا تھا ـــــ گویا کہ جو اصلی چور تھے، چور چور کا شور مچا کر خود شریف اور پُرامن شہری بن رہے اور جو عوام صحیح معنیٰ میں شریف اور پُرامن شہری تھے وہ ایک دوسرے کو ہی چور تصور کر کے باہم الجھ پڑے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ: سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے کچھ کم دھاندلیاں کی ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ان کی تخلیق کا سہرا بھی انہیں بے خدا حکمرانوں کے سر پر ہے۔ کیونکہ یہاں تک اونچی اڑان کے لیے بال و پر بھی خود انہوں نے ہی